56

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان

فرمودہ ۴/مئی ۱۹۱۷ء

حضور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد یہ آیات تلاوت فرمائیں:-

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ○ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ‌ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ‌ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ‌ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ○ (التوبہ ۱۲۸-۱۲۹)

بعد ازاں فرمایا:-

یوں تو اللہ تعالیٰ کے احسانوں۔ فضلوں اور انعاموں کی گنتی نہیں۔ انسان کے جسم کا کونسا حصّہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احسان کے نیچے دبا ہؤا نہیں۔ لیکن اس کے انعامات میں سے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ایک بہت بڑا انعام ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں اور اکثر ہیں جنہوں نے سمجھا نہیں۔ جو آپ کے دشمن ہیں۔ وہ اگر آپؐ کی شان ارفع میں کچھ گستاخی کرتے ہیں تو وہ ایک حد تک معذور کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن افسوس ماننے کا دعویٰ کرنے والوں پر ہے کہ وہ آپؐ کے مرتبہ کو نہیں سمجھتے۔ اور ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جو آپؐ کی مزیل شان ہوتی ہیں۔

بہت سے ایسے لوگ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو نہیں سمجھا۔ وہ نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت دُور جا پڑے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے آپ کو وہ شان عطا فرمائی ہے کہ مسلمان جس قدر بھی آپؐ کی تعریف کرتے کم تھی۔

ہر ایک قوم اپنے بڑوں کو بڑا بناتی ہے۔ عیسائی حضرت مسیحؑ کو۔ ہندو کرشن اور رامچندر کو خدا بنا رہے ہیں۔ اسی طرح دیگر مذاہب کے لوگوں کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے بھی اپنے بڑوں کو اتنا بڑا درجہ دیا کہ خدائی تک دے دی۔ ان کا یہ فعل بُرا ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ وہ شرک کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لیکن ہمیں اس جماعت

پر تعجب آتا ہے جس نے ایسا پیشوا پایا جو سب سے بڑا ہے مگر اس نے اپنے محسن کو اس کے اصل درجہ سے بھی گھٹانا شروع کر دیا۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت کو سمجھتے تو غلطی میں نہ پڑتے۔

مجھے حضرت خلیفہ اوّل ؓ کے وقت میں بار بار لیکچروں کے لئے باہر جانے کا اتفاق ہوا۔ مَیں نے سننے والے لوگوں کو اکثر یہی بتایا کہ ہمارے تمہارے اختلاف کا تصفیہ ایک آسان طریق سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ دیکھا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت اور عظمت ہمارے اعتقادات کے رو سے ثابت ہوتی ہے یا کہ تمہارے اعتقادات سے۔ اگر آپ کی عظمت اور عزّت کا خیال رکھا جائے تو سب اختلاف مٹ جاتے ہیں۔

حیات و وفات مسیح کے مسئلہ میں دیکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت اور عظمت کس میں ہے آیا اس میں آپ ؐ کی عظمت ہے کہ جب آپ ؐ کی امّت بگڑ جائے تو اسکی اصلاح کے لئے ایک اور شخص کو لایا جائے جو براہ راست آنحضرت ؐ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس کے نبوت و رسالت پانے میں آپ ؐ کا کوئی تعلق نہیں یا اس میں آپ ؐ کی عزّت ہے کہ جب آپ ؐ کی امّت بگڑے تو آپ ہی کے غلاموں میں سے کوئی شخص اصلاح کے لئے کھڑا کر دیا جائے۔ پھر کیا آپ ؐ کی اس میں عزّت ہے کہ آپ ؐ کے آنے سے وہ فیضان نبوت جو آدم کے وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ابناء آدم کو مل رہا تھا بند ہو گیا۔ اور آپ نعوذ باللہ اس فیض کے دریا میں روک ہو گئے۔ اور آپ کی امّت اس سے محروم کر دی گئی یا اس میں کہ آپ ؐ کی کامل اتباع اور پوری فرمانبرداری سے یہ رُتبہ حاصل ہو سکتا ہے۔

ان تمام مسائل میں جو ہم میں اور غیر احمدیوں میں اختلافی ہیں۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ کن مسائل کو تسلیم کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت ہوتی ہے اور کن سے ہتک تو معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے۔

غرض آپ ؐ کے درجہ کے نہ سمجھنے سے بڑا اختلاف پڑ گیا ہے۔ اور اکثر لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اگر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن معلوم ہوتے تو ضرور تھا کہ محبت پیدا ہوتی کیونکہ ہمیشہ محبت اور عشق خوبیوں کو دیکھنے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ کسی شخص کی نہ کوئی خوبی معلوم ہو۔ اور نہ اس کے محاسن۔ اور پھر انسان اس سے محبت کرے یا اس سے عشق پیدا ہو۔

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بیان کیا ہے کہ بے رویت کبھی عشق پیدا نہیں ہو سکتا

اور دیکھنا صرف آنکھوں سے ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ علم سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً انسان کسی ایسے بہادر آدمی کا قصّہ پڑھتا ہے جس کو گذرے سینکڑوں برس ہو جاتے ہیں مگر پڑھنے والے کے دل میں اس کے حالات پڑھ کر خاص کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پاک حالات کو دیکھا جائے۔ آپ کا اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ کھانا۔ پینا۔ جاگنا۔ سونا۔ لباس اور طرز ماندوبود۔ میل وملاقات کو آنکھوں کے سامنے لایا جائے۔ جب یہ باتیں صحیح طور پر معلوم ہو جائیں گی۔ تو یقیناً آپ سے ایک محبت اور عشق پیدا ہو جائے گا۔ یہ رویت علم کے ذریعہ ہو گی۔

پس اگر رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے لوگ واقف ہوتے تو آپ کی ہتک پر تیار نہ ہو جاتے اور خُدا اسے دور نہ جا پڑتے۔ اگر ان باتوں کو مدّنظر رکھ کر تحقیقات مسائل ہو تو پھر کبھی کوئی جھگڑا پیدا نہیں ہو سکتا۔

آپ کی محبت اور آپ سے عشق خدا کی محبت اور خُدا کے عشق کا موجب ہے جیسا کہ فرمایا۔ قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ [1]۔ اگر تم اس انسان کی اتباع کرو گے۔ اور اس کے ساتھ محبت رکھو گے تو خدا تم سے محبت اور پیار کرے گا تو آپ کی محبت خدا کی محبّت ہے۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ کے حالات کا معلوم ہونا کیسا ضروری ہے۔ مَیں نے جو آیات پڑھی ہیں ان میں آپ کے کمالات کا کچھ حصّہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق اگر دیکھنا ہو تو قرآن کریم کو دیکھو [2]۔ اس وقت جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ دنیا کی حالت بدترین تھی۔ بحر و بر میں خرابی پھیلی ہوئی تھی۔ دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ تھی جو نہ پائی جاتی تھی۔ اگرچہ انسان گردوپیش کے حالات سے بہت متأثر ہوتا ہے۔ اور جس قسم کا نمونہ اپنے سامنے دیکھتا ہے اسی طرح خود بھی کرنے لگتا ہے لیکن باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بدترین نمونہ موجود تھا۔ تمام عرب برائیوں اور بدکاریوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس وقت کے عیسائیوں کی حالت خود عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں کہ نہایت خراب ہو چکی تھی۔ زرتشتی بگڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں اصنام پرستی اور عناصر پرستی کا زور تھا۔ اس تاریکی کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسان کا پیدا ہونا کیا کوئی معمولی بات ہے؟ فرمایا لقد جاء کم رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ۔ لوگو ذرا سوچو تو سہی کہ یہ رسُول تمہارے پاس تم میں سے ہی آیا ہے۔ تم میں ہی پیدا ہوا۔ تم میں ہی رہا۔ تم میں ہی اس نے دن رات

---

[1] :۔ الِ عمران: ۳۲　　[2] :۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۱۶۔

گذارے۔مگر دیکھو تمہاری صحبت میں رہ کر یہ تم سے متأثر نہ ہؤا۔اس کے اعلیٰ اخلاق کو دیکھو۔اس کے پاس نمونہ تو تم تھے۔اس لئے چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ تمہارے جیسا ہوتا مگر اس نے اخلاق میں اس قدر ترقی کی کہ خدا نے اس کو رسول بنا کر تمہارے پاس بھیج دیا۔

واقع میں رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پڑھ کر حیرت آتی ہے۔کیسی ہمت اور کیسا استقلال تھا آپ کا کہ آپ ان میں رہ کر ان سے الگ رہے۔گو بظاہر اس آیت سے آپ کی کوئی فضیلت نہیں معلوم ہوتی کہ اے لوگو! تم میں سے ہی تمہارے پاس رسول بھیجا کوئی غیر نہیں بھیجا۔گویا اس قوم کو بتایا گیا کہ تو بڑی خوش قسمت ہے۔جس میں سے خُدا کا نبی آیا۔لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسی آیت میں خدا تعالیٰ نے الفاظ کے لحاظ سے مجمل مگر معانی کے لحاظ سے مفصل آپ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو بیان کر دیا ہے۔مشرکین کو کہا گیا ہے کہ تم اپنی کسی بات کو پیش کرو اس کا عمل اس کے خلاف ہی ہوگا۔تم مشرک ہو۔مگر یہ پکّا موحد ہے۔تمہارے اخلاق میں رذالت ہے۔مگر اس کے اخلاق نہایت اعلیٰ درجہ کے ہیں۔تم ظالم ہو۔مگر یہ رحیم ہے۔حالانکہ یہ بھی تم میں ہی پیدا ہؤا۔تم میں ہی رہا۔تمہارے پاس ہی عمر گذاری۔باوجود اس کے جب اس میں ایسی اعلیٰ درجہ کی باتیں پائی جاتی ہیں تو اس کی عظمت اور بڑائی کا اندازہ کرو۔

پھر فرمایا۔عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔پہلے آپ کی عظمت بیان کی۔اس کے بعد آپ کے رسُول ہونے کا ذکر کیا۔پھر فرمایا۔اس پر شاق گذرتا ہے۔اس پر ایسا بوجھل ہوتا ہے کہ جس سے کمر ٹوٹ جائے (وہ امر جس کی برداشت نہ ہو اسکو امر عزیز کہتے ہیں) جب تم پر کوئی مشکل اور مصیبت آئے تو یہ تکلیف میں پڑ جاتا ہے۔مگر ہر تکلیف کے وقت نہیں بلکہ اسی وقت جبکہ دیکھتا ہے کہ تم پر ایسی مصیبت آئی ہے جو مافوق ہے۔وہ استاد جو جانتا ہے کہ لڑکے کی اصلاح کس طرح ہوتی ہے وہ کسی وقت اس کو سزا بھی دیتا ہے۔مگر اس کا سزا دینا اس کی اصلاح کو مدّنظر رکھ کر ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس وقت اس کو سزا دینی چاہیئے یا نہیں؟ ماں باپ کو اس میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر ماں باپ دیکھیں کہ استاد کی سزا لڑکے کی طاقت سے بڑھ کر ہے۔اور ایسی ہے کہ وہ بجائے اصلاح کے بچہ کا خاتمہ کر دے گی تو بے شک ماں باپ دخل دیں۔لیکن جو والدین اُستاد کی ہر ایک سزا میں دخل دیتے ہیں اور واجبی سزا سے بھی گھبراتے ہیں وہ گویا اپنی اولاد کو آپ خراب کرتے ہیں۔پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حالت ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ان لوگوں پر آتی کہ جس سے وہ برباد ہونے لگتے تو آپ پر یہ بات شاق گذرتی۔مگر واجبی

تکالیف سے جو انکی اصلاح کے لئے ہوتیں۔ آپ نہ گھبراتے تھے۔

عنت۔ اس مصیبت کو کہتے ہیں جس سے انسان ہلاک ہو جائے۔ تو آپ کو گھبراہٹ ایسی ہی بات پر ہوتی تھی جس سے وہ لوگ ہلاک ہوتے نظر آتے تھے۔ ورنہ جہاد کی ترغیب تو آپ خود دلاتے تھے۔ کیونکہ وہ ان لوگوں کی ترقیات کے لئے ضروری تھا۔ لیکن اس میں کیا شک ہے کہ جہاد میں تکالیف ہوتی ہیں۔ اگر آپ پر لوگوں کی ہر تکلیف شاق گذرتی تو گویا آپؐ مسلمانوں کو ترقیوں سے روکتے۔ جیسا کہ ناجائز محبت کے مرتکب ماں باپ اپنی اولاد کو تھوڑی سی تکلیف میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اور اس طرح ان کی زندگی کو تباہ کر دیتے ہیں۔ بلکہ ان مصائب کو دیکھ کر آپ کو شاق گذرتا تھا جو لوگوں کی بربادی اور ہلاکت کا موجب ہوتی تھی۔ پس آپ ایسی تکالیف پر نہیں گھبراتے تھے جو قوم کی ترقی وفلاح کا موجب ہوں۔

عنت۔ لغت میں ایسی تکلیفوں اور مشقتوں کو کہتے ہیں جن کے نیچے دب کر انسان ہلاک ہو جائے۔ کیا ہی بے نظیر آپ کے اخلاق تھے۔ آپ کو تڑپ تھی۔ اور آپ کو دکھ ہوتا تھا ان کے ایسے مصائب سے جن سے وہ ہلاک ہونے لگتے۔

صحابہ میں بعض لوگوں نے دین کے لئے بڑی بڑی مشقتیں کرنی شروع کیں۔ جن سے آپ نے ان کو روک دیا۔ مگر یہ نہیں کہا کہ سردی کے موسم میں صبح کے وقت مسجد میں نہ آؤ کہ تمہیں تکلیف ہوگی۔ اور گھر پر ہی نماز پڑھ لیا کرو یا یہ کہ دشمنوں سے لڑنے کے لئے نہ جاؤ۔ کہ تمہاری جانیں ضائع ہوں گی۔ اور دشمن کے نیزے اور خنجر تمہیں زخمی کریں گے۔ اس کے لئے تو آپ حرص دلاتے تھے۔ ہاں جو باتیں ان کے لئے ہلاکت کا موجب ہوسکتی تھیں۔ ان سے آپؐ کو تکلیف ہوتی تھی۔ اور ان سے منع بھی فرماتے تھے۔

پھر فرمایا۔ حریص علیکم۔ ایک تو اس کی یہ حالت ہے کہ کسی کی ایسی مصیبت نہیں دیکھ سکتا جس میں وہ ہلاک ہوتا ہو۔ دوسرے یہ کہ جب کسی کو مصیبت میں دیکھتا ہے تو اس کی نجات کے لئے دوڑتا ہے۔ دوسرے معنے یہ کہ سب کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ سب دنیا اس کے پاس آجائے تا وہ دکھوں اور مصیبتوں سے نجات پا جائے۔ جس طرح انسان مال کو اس لئے جمع کرتا ہے کہ محفوظ ہو جائے۔ اسی طرح آپ یہی چاہتے کہ لوگ جن کے لئے الگ الگ رہنے میں ہلاکت ہے۔ آپ کے پاس آجائیں تا ہلاکت سے بچ جائیں تو فرمایا کہ یہ مومنوں کو جمع کرتا اور خدا کی محبت پیدا کرنے کے طریقے سکھاتا ہے۔

پھر فرمایا۔ بالمؤمنين رؤف رحيم کہ جب یہ لوگوں کو جمع کر لیتا ہے تو ان سے رافت اور رحمت کا سلوک کرتا ہے۔ حریص علیکم کا نتیجہ تو یہ ہے کہ مومن پیدا ہوں۔ جب

مومن پیدا ہو گئے تو اب یہ بتانا تھا کہ ان کے ساتھ کیسا سلوک کرنا ہے! اس لئے فرمایا۔ وہ لوگ جو اس کے پاس آجاتے ہیں اُن سے نہایت ہی شفقت۔ رأفت۔ محبت۔ رحم وکرم کا سلوک کرتا ہے۔

بعض لوگ تو جمع کرتے تک اچھا سلوک کرتے ہیں۔ جب ان کے قبضہ میں لوگ آجاتے ہیں تو پھر ان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ لیکن آپ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ نہایت ہی شفقت سے پیش آتے ہیں۔ اور آپ ان کی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔

یہ ایک کرشمہ ہے نبی کریمؐ کے ان اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ محاسن کا جو قرآن شریف میں بیسیوں جگہ ذکر ہوئے ہیں۔ پس غور کرو کیسا ہے وہ انسان اور کتنا بڑا ہے اس کا رتبہ جو لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ان پر کس قدر افسوس ہے۔ دیکھو آج ہمیں مسیح موعودؑ ملا تو اس کے طفیل۔ حضرت مسیح موعود کی بعثت اسی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ آپؐ کی اُمت بگڑ چکی تھی۔ اور ضرورت تھی کہ آپ کا کوئی خادم اُٹھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت اس میں کام کرے اس لئے حضرت مسیح موعودؑ آنحضرتؐ کی روحانیت سے مبعوث ہوئے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر باوجود ان تمام خوبیوں کے لوگ توجہ نہ کریں۔ تو کہدو **فان تولوا فقل حسبی اللہ لآ اِلٰہَ الا ھو ط علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم**۔ مجھے تو تمہاری کوئی پروا نہیں۔ خواہ تم سب کے سب پرے ہٹ جاؤ۔ میں تو موحد ہوں۔ اور ایک زندہ خُدا کا ماننے والا ہوں۔ اسی نے مجھے یہ رتبہ دیا ہے اور وہی میرے درجہ کو ظاہر کریگا۔ چنانچہ اب جبکہ مسلمانوں نے اپنے ایسے عقائد بنا لئے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہوتی ہے۔ اور آپؐ کو بالکل چھوڑ دیا تو خدا تعالیٰ نے آسمان سے ایک ایسا مرسل بھیجا جس نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل شان لوگوں کے سامنے رکھ دی۔ اب اگر کوئی مقابلہ کریگا تو اس کا کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ بلکہ اسی کا نقصان ہوگا جو مقابلہ پر آئے گا۔

فرمایا کہ اگر یہ لوگ تجھ سے پھریں تو کہدو کہ میرا تو سوائے اللہ کے کسی پر بھروسہ نہیں وہی رب عرشِ عظیم ہے وہ میری صداقت کے پھیلانے کا سامان پیدا کر دیگا۔ چنانچہ جب مسلمانوں نے اس رب عرشِ عظیم پر توکل کرنیوالے کی ہتک کی تو خُدا نے ایک مرسل کو بھیجا جو اسکی عظمت وشان کو دنیا پر ظاہر کرے۔ اب خدا اپنی فوجوں سے اس کی مدد کریگا اور دنیا نے اگر قبول نہیں کیا تو خُدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام دوستوں اور تمام ان لوگوں کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔ اس بات کی سمجھ اور معرفت دے کہ وہ اس عظیم الشان انسان کو پہچانیں اور جانیں کہ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ کیا تھا۔ اور مخالفین کی آنکھیں کھلیں کہ وہ کس درجہ کا انسان تھا۔ جو خدا نے دنیا میں بھیجا تھا۔

(الفضل ۱۹ / ۱۵ مئی ۱۹۱۷ء)